کی تصویر پر ضروری ہے۔

صریح احکامِ قرآن و سنت کے احکام کی تنسیخ کے لیے یہ عقلی و مصلحتی دلیل دی جاتی ہے کہ جعلی ووٹنگ کو روکنے کے لیے ایسا کرنا ضروری ہے۔ مگر جعلی ووٹنگ تو جعلی کارڈوں اور جعلی تصویروں کے ذریعے وسیع پیمانے پر ہوسکتی ہے۔ قانون شکنی کی یہ صورت اتنی قانونی ہوگی کہ گرفت کرنا آسان نہ ہوگا۔ پھر معاملہ اتنا ہی نہیں کہ کارڈ پر تصویر لگ گئی (جو بجائے خود غلط ہے) بلکہ عملاً ایسا ہوگا کہ امیدواروں کے پولنگ ایجنٹس مطالبہ کریں گے کہ ہمارے سامنے چہرہ بے نقاب کیا جائے تاکہ ہم تصویر کی تصدیق کرسکیں۔ اسی طرح پریزائیڈنگ آفیسر بھی صورت اور تصویر کی مطابقت کے لیے معائنہ کرسکتا ہے۔ یعنی ایک خاتون یا ایک لڑکی کئی "غیرمحرموں" کے درمیان کھڑی ہو کر ایک ایک کو باہتمامِ خاص اپنا چہرہ دکھلائے گی کہ تصویر سے ملا کر دیکھ لیجیے۔ ہمارے یہاں بے شمار گھرانے ایسے ہیں جو ماڈرن ازم اور تقلیدِ افرنگ کی اس سطح تک نہیں پہنچے کہ ان کی خواتین اس طرح سب کے سامنے اپنے آپ کو "پیش" کرسکیں۔ اس صورتِ حال کا بُرا اثر دین سے وابستگی رکھنے والے امیدواروں پر پڑے گا جن کی خواتین ووٹرز زیادہ تر پردہ پسند ہوں گی۔ گویا اس طریقِ کار کو اختیار کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ہماری انتخابی اسکیم کی ترازو کا پلڑا دین سے آزاد لوگوں کے حق میں جھکا رہے گا۔ دوسرے لفظوں میں اس طرح کی چھوٹی چھوٹی اسکیمیں مخالفینِ پردہ کے محاذ کی ہلکی ہلکی جنگی کارروائیاں ہیں۔ اور ایسی مختلف کارروائیوں کے نتیجے میں تدریجاً بے پردگی کو فروغ ایک ایسی ریاست کے زیرِ سایہ ملے گا جس کے بنیادی دستوری مقاصد میں یہ نکتہ بھی شامل ہے کہ وہ اپنے شہریوں کو اس قابل بنائے گی کہ وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگیاں اسلام کے اصولوں کے مطابق بسر کرسکیں۔ گویا ریاست کا اصولی رُخ کسی اور طرف ہے اور بیوروکریسی کے منصوبہ سازوں کی سمتِ سفر دوسری ہے۔

آیا کوئی متبادل صورت سرے سے ممکن نہیں ہے۔ ہمارے خیال میں بہت سی بہتر صورتیں ممکن ہیں۔ مثلاً:۔

ایک یہ کہ ایک گھر کے ووٹروں (ماں باپ، دادا دادی، بہن بھائی، بیٹے بیٹیاں، جو یکجا رہتے ہوں) کے ووٹ اکٹھے درج ہوں اور وہ اکٹھے ہی بھگتائے جائیں۔ اب اگر ۱۳۹/D محلہ اولیاء کے کریم بخش کے ساتھ اس کی بیوی اور بیٹی اور پوتی یا بہو کا ووٹ بھگت چکا ہے تو اب کوئی اور شخص کریم بخش کے گھر کی کسی خاتون کو ساتھ نہیں لا سکتا۔ قصہ ختم۔

دوسری صورت یہ ہے کہ جس خاتون کے پاس نکاح نامہ، ملکیت جائیداد کی کوئی دستاویز یا کرایہ دار کا لکھا ہوا کرایہ نامہ، کسی طرح کی تعلیمی سند، اسلحہ کا لائسنس، ڈرائیونگ لائسنس، پاسپورٹ، ملازمت کا کارڈ، اسٹوڈنٹ ہونے کا کارڈ، ڈومی سائل سرٹیفکیٹ، کالج ڈگری یا نتیجہ امتحان کا کارڈ، یا کوئی دوسرا واضح ثبوت موجود ہو، اسے ایسی دستاویزوں کی بنیاد پر ووٹ دینے کا موقع دیا جائے۔ اور ان دستاویزوں پر کوئی باریک نشان کرنے پر لگا دیا جائے تاکہ انہیں کوئی دوسری خاتون استعمال نہ کر سکے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ ہاتھوں پر کسی زخم، پھوڑے پھنسی یا تل کا نشان موجود ہو یا کسی انگلی یا ناخن کی ساخت غیر معمولی طرز کی ہو تو اس کا اندراج ووٹنگ لسٹ میں پہلے سے کر لیا جائے، ورنہ وہ خاتون اس کا ایک الگ سرٹیفکیٹ کسی بلدیاتی ممبر یا صلوٰۃ کمیٹی کے چیئرمین سے بنوا لے۔ ضرورت ہو تو سرٹیفکیٹ کے مطابق ایسے نشان کو دیکھا جا سکتا ہے۔

سرسری طور پر سوچنے سے یہ دو تین صورتیں فوراً سامنے آگئی ہیں۔ اگر بیوروکریسی کے اساطین پردہ کرنے والی خواتین سے نفرت رکھنے کی وجہ سے ان کو کچلنے اور پریشان کرنے کے درپے نہ ہوں، بلکہ ان کا احترام کرنے والے ہوں (کیونکہ یہ ایسی خواتین ہیں جو مغربیت کے تند سیلاب میں چٹان بن کر بہت سے مفاد کی قربانیاں دیتے ہوئے اصولِ پردہ کا تحفظ کر رہی ہیں) تو ان کے زرخیز دانشورانہ دماغ بہت سی متبادل صورتیں سوچ سکتے ہیں۔

ہمارے کار پردازوں کے اونچے دماغ اپنے طرزِ فکر کے حق میں دور دور سے ڈھونڈ

دلیلیں لاتے ہیں۔ مثلاً پاسپورٹ رکھنے یا حج پر جانے والی خواتین کی مثال دیتے ہیں کہ آخر ان مقاصد کے لیے بھی تو تصویر کھنچوائی جاتی ہے، پھر شناختی کارڈ کے لیے کیوں نہ ہو؟

سوال یہ ہے کہ پاسپورٹ کے بین الاقوامی ضوابط کو بدلوانے کا کام بحیثیت اسلامی ریاست کے کارپردازوں کے تو آپ کچھ نہ کر سکے اور خود سعودی عرب کی حکومت کو تصویر کی متبادل کوئی صورت سجھا نہ سکے، اب آپ کی اس کوتاہی کی وجہ سے ہماری مسلم خواتین کو اضطراری نوعیت کی جو مشکلات درپیش ہیں، انہیں کو آپ دلیل بنا کر یہ کہتے ہیں کہ ایسی ہی کچھ اور مشکلات ہماری طرف سے بھی برداشت کر لو۔ یعنی آپ کی اسلامی ریاست دنیا کے مروجات کے خلاف کوئی نئی راہ نکالنے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔ اسے تو بس مکھی پر مکھی مارتے رہنا ہے۔

نفاذِ اسلام کے متعلق لچھے دار باتیں کرنے والوں کو کبھی یہ سوچنا چاہیے کہ اگر ہر معاملے میں موجودہ دنیا کے مروجات ہی کو جوں کا توں اپنانا ہے اور ماڈرن ازم کی رو جدھر بہا لے جانا چاہے، اُدھر ہی بہنا ہے تو پھر مزاحمت و مقاومت اور اقدام و پیش روی کے جذبات کے بغیر اسلام جیسا جہاد طلب دین کیسے نافذ کیا جا سکتا ہے۔

پاسپورٹوں وغیرہ کے متعلق ایک بات تو یہ سوچنے کی ہے کہ ان کا استعمال کرنے والی خواتین کی اکثریت تہذیب نو کی سحر زدہ ہے اور بقیہ اقلیت اضطرار و مجبوری کی بنا پر مروجہ صورت میں ان کا استعمال کرتی ہے۔ پھر پاسپورٹوں کا یہ استعمال عمر بھر میں دو چار بار ہو سکتا ہے۔ بخلاف اس کے انتخابات ـــــ مرکزی، صوبائی، بلدیاتی ـــــ وقتاً فوقتاً ہونے والا عمل ہیں۔ آخر یہ روز روز کا اضطرار اور وہ بھی اپنی اسلامی ریاست یا اپنے گھر میں کیا معنی رکھتا ہے۔ رہی حج والی مثال تو بہت کم مرد عمر بھر میں ایک سے زیادہ مرتبہ حج کے لیے ملک سے نکلتے ہیں۔ خواتین کے لیے تو ایک مرتبہ کا نکلنا بھی غیر معمولی ہمت کی بات ہے ......
... حج جیسی بڑی عبادت کی سعادت حاصل کرنے کے لیے عمر میں ایک مرتبہ ایک اضطراری صورت سے دوچار ہونا کچھ اور بات ہے اور محض سیاسی انتخابات کے لیے تھوڑی تھوڑی مدت بعد اپنی تصویریں لے کر پولنگ بوتھ پر جانا اور وہاں چہرہ کھولنے کے لیے بھی تیار رہنا شدید آزمائش ہے۔ اپنے ہی ملک میں، عین اسلامی ریاست میں، مسلم اکثریت کے درمیان کسی مسلم خاتون کا

ایسی آزمائش سے دوچار ہونا بہت افسوسناک ہے۔ مصلحتیں اور ضرورتیں اپنی جگہ مگر خدا کے واضح احکام اور تصویر کے بارے میں خدا کے رسولؐ برحق کی روشن ہدایات اور اسوۂ رسولؐ و صحابۂ رسولؐ کی قدر و قیمت بالاتر ہے۔ چند مجبورانہ صورتوں کے لیے استثنا کی جو تنگ سی پگڈنڈیاں شریعت و فقہ میں نکلتی ہیں ان کو کشادہ کر کے ہر ایک کو چوڑی اور کھلی شارع عام میں تو نہیں بدلا جا سکتا۔

بدقسمتی یہ ہے کہ متجددانہ ذہن حدود اور پابندیوں کو تو اپنے راستے سے ہٹانا چاہتا ہے۔ اور چھوٹے چھوٹے جو رخنے شریعت نے اضطراری رخصت کے لیے خود رکھے ہیں، ان کو پہلے دروازوں اور پھر شاہراہوں میں بدلنا چاہتا ہے۔ بس یہ ذہنیت باعث مصیبت ہے یہ اگر بدل جائے تو پھر ہر مشکل آسان ہو سکتی ہے۔

اب ذرا ایک بار پھر جرمن عدالت کا متذکرہ بالا فیصلہ پڑھیے اور سوچیے کہ آیا ہم دینی ضروریات اور مسلم خواتین کے حقوقِ پردہ کا تحفظ کرنے میں ایک نظامِ کفر سے بھی زیادہ گئے گذرے ہیں؟ وہاں مسلم عورتوں کی تصویر کے بغیر شناختی کارڈ بن سکتے ہیں اور انتخابات ہو سکتے ہیں تو یہاں کیوں نہیں؟ کیا ہماری اپنی ہی کوئی بیماری دل ..... ہمیں صحیح سمت میں سوچنے اور اقدام کرنے سے روک رہی ہے؟

للہ! موجودہ ذہنیت کو بدلیے اور اسلام کے قانونِ حجاب اور پردہ پسند مسلم خواتین کے حقوقِ پردہ کا احترام کیجیے ـــ ووٹنگ کے لیے شناختی کارڈوں پر عورتوں کو تصاویر چسپاں کرانے کی پابندی سے آزاد کرنے کا اعلان کیجیے اور جعلی ووٹنگ کو روکنے کے لیے دوسری تدبیریں سوچیے۔

اللہ کی رحمتیں ہوں ہر اس شخص یا ادارے پر جو راہ ہدایت اختیار کرے اور خدا و رسولؐ سے سچی محبت کرے اور جو مرد یا عورتیں خدا و رسولؐ کی اطاعت کرنا چاہیں ان کا احترام اور ان سے تعاون کرے۔

حکمتِ سیّد مودودیؒ

شہادتِ امام حسینؓ کا مقصد

اقتباس کردہ : محمد یوسف صاحب - ادارہ معارف اسلامی - لاہور

ہر سال محرم میں کروڑوں مسلمان، شیعہ بھی اور سنی بھی، امام حسینؓ کی شہادت پر اپنے رنج و غم کا اظہار کرتے ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ ان غم گساروں میں سے بہت ہی کم لوگ اُس مقصد کی طرف توجہ کرتے ہیں جس کے لیے امامؓ نے نہ صرف اپنی جان عزیز قربان کی بلکہ اپنے کنبے کے بچوں تک کو کٹوا دیا۔ کسی شخص کی مظلومانہ شہادت پر اس کے اہلِ خاندان سے محبت و عقیدت یا ہمدردی رکھنے والوں کا اظہارِ غم کرنا تو ایک فطری بات ہے۔ ایسا رنج و غم دنیا کے ہر خاندان اور اس سے تعلق رکھنے والوں کی طرف سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس کی کوئی اخلاقی قدر و قیمت اس سے زیادہ نہیں ہے کہ یہ اس شخص کی ذات کے ساتھ اس کے رشتہ داروں کی اور خاندان کے ہمدردوں کی محبت کا ایک فطری نتیجہ ہے لیکن سوال یہ ہے کہ امام حسینؓ کی وہ کیا خصوصیت ہے جس کی وجہ سے سیکڑوں برس گزر جانے پر بھی ہر سال ان کا غم تازہ ہوتا رہے؟ اگر یہ شہادت کسی مقصدِ عظیم کے لئے نہ تھی تو محض ذاتی محبت و تعلق کی بنا پر صدیوں اس کا غم جاری رہنے کے کوئی معنی نہیں ہیں، اور خود امام کی اپنی نگاہ میں اس محض ذاتی و شخصی محبت کی کیا قدر و قیمت ہو سکتی ہے انہیں اگر اپنی ذات اس مقصد سے زیادہ عزیز ہوتی تو وہ اسے قربان ہی کیوں کرتے؟ ان کی یہ قربانی تو خود اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ اس مقصد کو جان سے بڑھ کر عزیز رکھتے تھے۔ لہذا اگر ہم اس مقصد کے لئے کچھ نہ کریں بلکہ اس کے خلاف کام کرتے رہیں تو محض ان کی ذات کے لئے گریہ و زاری کر